

اور یہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کر رہے ہیں۔ جس کی کوئی خدائی دلیل نازل نہیں ہوئی نہ وہ خود ہی اس کا کوئی علم رکھتے ہیں۔<sup>(۱)</sup> ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۷۱)

جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو آپ کافروں کے چروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔ وہ تو قریب ہوتے ہیں کہ ہماری آیتیں سنانے والوں پر حملہ کر بیٹھیں،<sup>(۲)</sup> کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبر دوں۔ وہ آگ ہے، جس کا وعدہ اللہ نے کافروں سے کر رکھا ہے،<sup>(۳)</sup> اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (۷۲)

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا  
وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ①

وَإِذْ اسْتُلْتُمْ عَلَيْهِمُ الِيتِنَاتِ بِأَن تَعْرِفُوا فِي وُجُوهِ الَّذِينَ  
كَفَرُوا وَالْمُنْكَرُ كَمَا دُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتَّبِعُونَ عَلَيْهِمُ  
الِيتِنَاتِ قُلْ أَفَأَنْتُمْ بِشِرْكِنَا مِن دُونِكُمْ أَلَمْ نَكُذِّبْهَا  
اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِيَّائِهِمُ الْمَصِيرُ ②

حدیث میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے، جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا، مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔“ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسیٰ) اور سنن کی روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا، اور اس کو کہا ”لکھ“ اس نے کہا ”کیا لکھوں؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو کچھ ہونے والا ہے، سب لکھ دے۔ چنانچہ اس نے اللہ کے حکم سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، سب لکھ دیا۔“ (ابوداؤد، کتاب السنہ، باب فی القدر، ترمذی، ابواب القدر و تفسیر سورۃ ن، مسند احمد ۵/۳۱۷)

(۱) یعنی ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے، جسے کسی آسمانی کتاب سے یہ دکھاسکیں، نہ عقلی دلیل ہے جسے غیر اللہ کی عبادت کے اثبات میں پیش کر سکیں۔

(۲) اپنے ہاتھوں سے دست درازی کر کے یا بد زبانی کے ذریعے سے۔ یعنی مشرکین اور اہل ضلالت کے لیے اللہ کی توحید اور رسالت و معاد کا بیان ناقابل برداشت ہوتا ہے، جس کا اظہار، ان کے چہرے سے اور بعض دفعہ ہاتھوں اور زبانوں سے ہوتا ہے۔ یہی حال آج کے اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کا ہے، جب ان کی گمراہی، قرآن و حدیث کے دلائل سے واضح کی جاتی ہے تو ان کا رویہ بھی آیات قرآنی اور دلائل حدیثیہ کے مقابلے میں ایسا ہی ہوتا ہے، جس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے۔ (فتح القدر)

(۳) یعنی ابھی تو آیات الہیٰ سن کر صرف تمہارے چہرے ہی متغیر ہوتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا، اگر تم نے اپنے اس رویے سے توبہ نہیں کی، کہ اس سے کہیں زیادہ بدتر حالات سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا، اور وہ ہے جہنم کی آگ میں جلنا، جس کا وعدہ اللہ نے اہل کفر و شرک سے کر رکھا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُربَ مَثَلٍ فَأَسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ  
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَا يُكْوِنُوا  
اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْأَلْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَأَسْتَوْدُوهُ  
مِنْهُ ضَعُفَ الظَّالِمُ وَالْمَطْلُوبُ ①

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَعَزِيزٌ ②

لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر سن لو! اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں،<sup>(۱)</sup> بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے،<sup>(۲)</sup> بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے<sup>(۳)</sup> وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔ (۷۳)

انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں،<sup>(۴)</sup> اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و زبردست ہے۔ (۷۴)

(۱) یعنی یہ معبودان باطل، جن کو تم، اللہ کو چھوڑ کر، مدد کے لیے پکارتے ہو، یہ سارے کے سارے جمع ہو کر ایک نہایت حقیر سی مخلوق مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں، تو نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود بھی تم انہی کو اپنا حاجت روا سمجھو، تو تمہاری عقل قابل ماتم ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پتھر کی بے جان مورتیاں ہی نہیں ہوتی تھیں، (جیسا کہ آج کل قبر پرستی کا جواز پیش کرنے والے لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ یہ عقل و شعور رکھنے والی چیزیں بھی تھیں۔ یعنی اللہ کے نیک بندے بھی تھے، جن کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک حقیر ترین شے مکھی، بھی پیدا نہیں کر سکتے، محض پتھر کی مورتیوں کو یہ چیلنج نہیں دیا جاسکتا۔

(۲) یہ ان کی مزید بے بسی اور لاچارگی کا اظہار ہے کہ پیدا کرنا تو کجا، یہ تو مکھی کو پکڑ کر اس کے منہ سے اپنی وہ چیز بھی واپس نہیں لے سکتے، جو وہ ان سے چھین کر لے جائے۔

(۳) طالب سے مراد، خود ساختہ معبود اور مطلوب سے مراد مکھی یا بعض کے نزدیک طالب سے، پجاری اور مطلوب سے اس کا معبود مراد ہے۔ حدیث قدسی میں معبودان باطل کی بے بسی کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے اگر کسی میں واقعی یہ قدرت ہے تو وہ ایک ذرہ یا ایک جوہی پیدا کر کے دکھادے۔“ (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة)

(۴) یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی بے بس مخلوق کو اس کا ہمسرا اور شریک قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت، اس کی قدرت و طاقت اور اس کی بے پناہی کا صحیح صحیح اندازہ اور علم ہو تو وہ کبھی اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو اللہ ہی چھانٹ لیتا ہے،<sup>(۱)</sup> بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (۷۵)

وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔ (۷۶)<sup>(۲)</sup>

اے ایمان والو! رکوع سجدہ کرتے رہو<sup>(۳)</sup> اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (۷۷)<sup>(۴)</sup>

اور اللہ کی راہ میں ویسایہ جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔<sup>(۵)</sup> اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں

اللَّهُ يَصْطَلِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ  
إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۷۵﴾

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ  
الْأُمُورُ ﴿۷۶﴾



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا مَا كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۷﴾

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا  
جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مَمْلُوءَةً لِمَنِ كُنتُمْ

(۱) رُسُلٌ رُسُلٌ (فرستادہ، بھیجا ہوا قاصد) کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی رسالت کا یعنی پیغام رسانی کا کام لیا ہے، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنی وحی کے لیے منتخب کیا کہ وہ رسولوں کے پاس وحی پہنچائیں۔ یا عذاب لے کر قوموں کے پاس جائیں اور لوگوں میں سے بھی، جنہیں چاہا، رسالت کے لیے چن لیا اور انہیں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی پر مامور فرمایا۔ یہ سب اللہ کے بندے تھے، گو منتخب اور چنیدہ تھے۔ لیکن کس لیے؟ خدائی اختیارات میں شرکت کے لیے؟ جس طرح کہ بعض لوگوں نے انہیں اللہ کا شریک گردان لیا۔ نہیں، بلکہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے۔

(۲) وہ بندوں کے اقوال سننے والا ہے اور بصیر ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے؟ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ — (الأنعام: ۱۲۳) ”اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔“

(۳) جب تمام معاملات کا مرجع اللہ ہی ہے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جا سکتا اور اس کے عذاب سے کیوں کر بچ سکتا ہے؟ کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا راستہ اختیار کر کے اس کی رضا حاصل کرے؟ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی صراحت کی جا رہی ہے۔

(۴) یعنی اس نماز کی پابندی کرو جو شریعت میں مقرر کی گئی ہے۔ آگے عبادت کا بھی حکم آرہا ہے۔ جس میں نماز بھی شامل تھی، لیکن اس کی اہمیت و افضلیت کے پیش نظر اس کا خصوصی حکم دیا۔

(۵) یعنی فلاح (کامیابی) اللہ کی عبادت اور اطاعت یعنی افعال خیر اختیار کرنے میں ہے، نہ کہ اللہ کی عبادت و اطاعت سے گریز کر کے محض مادی اسباب و وسائل کی فراہمی اور فراوانی میں، جیسا کہ اکثر لوگ سمجھتے ہیں۔

(۶) اس جہاد سے مراد، بعض نے وہ جہاد اکبر لیا ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار و مشرکین سے کیا جاتا ہے اور بعض

کوئی تنگی نہیں ڈالی،<sup>(۱)</sup> دین اپنے باپ ابراہیم<sup>(۲)</sup> علیہ السلام کا قائم رکھو، اسی اللہ<sup>(۳)</sup> نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی ناکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ۔<sup>(۴)</sup> پس تمہیں چاہیے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمہارا ولی اور مالک ہے۔ پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔ (۷۸)

إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَلَمَةُ الْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ قَبْلَ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِآلِهَتِكُمْ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۸﴾

نے ادا مرالی کی بجا آوری کہ اس میں بھی نفس امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور بعض نے ہر وہ کوشش مراد لی ہے جو حق و صداقت کے غلبے اور باطل کی سرکوبی اور مغلوبیت کے لیے کی جائے۔

(۱) یعنی ایسا حکم نہیں دیا جس کا متحمل نفس انسانی نہ ہو، (ورنہ تھوڑی بہت محنت و مشقت تو ہر کام میں ہی اٹھانی پڑتی ہے) بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی اس نے منسوخ کر دیئے۔ علاوہ ازیں بہت سی آسانیاں مسلمانوں کو عطا کر دیں، جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں۔

(۲) عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام عربوں کے باپ تھے اور غیر عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بزرگ شخصیت کے طور پر اس طرح احترام کرتے تھے، جس طرح بیٹے باپ کا احترام کرتے ہیں، اس لیے وہ تمام ہی لوگوں کے باپ تھے، علاوہ ازیں پیغمبر اسلام کے (عرب ہونے کے ناطے سے) حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ تھے، اس لیے امت محمدیہ کے بھی باپ ہوئے۔ اس لیے کہا گیا، یہ دین اسلام، جسے اللہ نے تمہارے لیے پسند کیا ہے، تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اسی کی پیروی کرو۔

(۳) ہو کا مرجع بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی نزول قرآن سے پہلے تمہارا نام مسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے رکھا ہے اور بعض کے نزدیک، مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

(۴) یہ گواہی، قیامت والے دن ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ، آیت ۱۴۳ کا حاشیہ۔



سورہ مؤمنون مکی ہے اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی۔ (۱)  
جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔ (۲)  
جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ (۳)  
جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ (۴)  
جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (۵)

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۱  
الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۲  
وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۳  
وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۴  
وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۵

(۱) فَلَاح کے لغوی معنی ہیں، چیرنا، کاٹنا، کاشت کار کو بھی فَلَاح کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو چر بھاڑ کر اس میں بیج بوتا ہے۔ مُنْفَلِحٌ (کامیاب) بھی وہ ہوتا ہے جو صعوبتوں کو قطع کرتے ہوئے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے، یا کامیابی کی راہیں اس کے لیے کھل جاتی ہیں، اس پر بند نہیں ہوتیں۔ شریعت کی نظر میں کامیاب وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لے اور اس کے بدلے میں آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پا جائے۔ اس کے ساتھ دنیا کی سعادت و کامرانی بھی میسر آجائے تو سبحان اللہ۔ ورنہ اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ گو دنیا والے اس کے برعکس دنیوی آسائشوں سے بہرہ ور کو ہی کامیاب سمجھتے ہیں۔ آیت میں ان مؤمنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے جن میں ذیل کی صفات ہوں گی۔ مثلاً اگلی آیات ملاحظہ ہوں۔

(۲) خُشُوعٌ سے مراد، قلب و جوارح کی یکسوئی اور انہماک ہے۔ قلبی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بہ قصد خیالات و وساوس کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے اور اللہ کی عظمت و جلالت کا نقش اپنے دل پر بٹھانے کی سعی کرے۔ اعضاء و جوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھر ادھر نہ دیکھے، کھیل کود نہ کرے۔ بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے۔ بلکہ خوف و خشیت اور عاجزی و فروتنی کی ایسی کیفیت طاری ہو، جیسے عام طور پر بادشاہ یا کسی بڑے شخص کے سامنے ہوتی ہے۔

(۳) لَغْوٌ، ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا اس میں دینی یا دنیوی نقصانات ہوں۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے کہ ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے۔ چہ جائیکہ انہیں اختیار یا ان کا ارتکاب کیا جائے۔

(۴) اس سے مراد بعض کے نزدیک زکوٰۃ مفروضہ ہے، (جس کی تفصیلات یعنی اس کا نصاب اور زکوٰۃ کی شرح گو مدینہ میں بتلائی گئی تاہم) اس کا حکم مکہ میں ہی دے دیا گیا تھا اور بعض کے نزدیک ایسے افعال کا اختیار کرنا ہے، جس سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق و کردار کی تطہیر ہو۔

بجز اپنی بیویوں اور ملکیت کی لونڈیوں کے یقیناً یہ ملامتوں میں سے نہیں ہیں۔ (۶)  
 جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں۔ (۷)<sup>(۱)</sup>  
 جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (۸)<sup>(۲)</sup>  
 جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ (۹)<sup>(۳)</sup>  
 یہی وارث ہیں۔ (۱۰)  
 جو فروس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۱۱)<sup>(۴)</sup>  
 یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ (۱۲)<sup>(۵)</sup>

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝  
 فَمَنْ يَتَّبِعْ لَهْوَ الرِّجَالِ وَالرِّجَالُ مَوْلَاكُمْ فَلَا تَتَّبِعُوا هُمُ الْعَادُونَ ۝  
 وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝  
 وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝  
 أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝  
 الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْعَوْنَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝  
 وَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ متعہ کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے اور جنسی خواہش کی تسکین کے لیے صرف دو ہی جائز طریقے ہیں۔ بیوی سے مباشرت کر کے یا لونڈی سے ہم بستری کر کے۔ بلکہ اب صرف بیوی ہی اس کام کے لیے رہ گئی ہے کیونکہ اصطلاحی لونڈی کا وجود فی الحال ختم ہے تاہم جب کبھی بھی حالات نے اسے دوبارہ وجود پذیر کیا تو بیوی ہی کی طرح اس سے مباشرت جائز ہوگی۔

(۲) اَمَانَات سے مراد مفوضہ ذیوئی کی ادا کیگی، رازدارانہ باتوں اور مالی امانتوں کی حفاظت ہے اور رعایت عہد میں اللہ سے کیے ہوئے میثاق اور بندوں سے کیے عمد و بیان دونوں شامل ہیں۔

(۳) آخر میں پھر نمازوں کی حفاظت کو فلاح کے لیے ضروری قرار دیا، جس سے نماز کی اہمیت و فضیلت واضح ہے۔ لیکن آج مسلمان کے نزدیک دوسرے اعمال صالحہ کی طرح اس کی بھی کوئی اہمیت سرے سے باقی نہیں رہ گئی ہے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

(۴) ان صفات مذکورہ کے حامل مومن ہی فلاح یاب ہوں گے جو جنت کے وارث یعنی حق دار ہوں گے۔ جنت بھی جنت الفردوس، جو جنت کا اعلیٰ حصہ ہے۔ جہاں سے جنت کی نمریں جاری ہوتی ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب درجات المجاہدین فی سبیل اللہ۔ و کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء)

(۵) مٹی سے پیدا کرنے کا مطلب، ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی سے پیدائش ہے یا انسان جو خوراک بھی کھاتا ہے، وہ سب مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اس اعتبار سے اس نطفے کی اصل، جو خلقت انسانی کا باعث بنتا ہے، مٹی ہی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً لِّبَنِي قَرَارٍ لِّكِبْنِ ①

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا

الْمُضْغَةَ عِظْمًا لَكَسْرًا لِّعَظْمٍ لِّسَمَانٍ ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا

اٰخَرَ فَبَرَكَ لِلّٰهِ اَلْحَسَنُ الْخَالِقِيْنَ ②

ثُمَّ اٰتٰكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمِيْتُوْنَ ③

ثُمَّ اٰتٰكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَبَعُوْنَ ④

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ سَمَاوٰتٍ لِّمَا كَانُوْنَ الْغٰلِيْنَ غٰلِيْنَ ⑤

پھر اسے نظفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔ (۱۳)

پھر نظفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا، پھر اس خون کے

لو تھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے کو

ہڈیاں بنا دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پسندایا، (۱۴)

دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ (۱۵) برکتوں والا ہے

وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔ (۱۳)

اس کے بعد پھر تم سب یقیناً مرجانے والے ہو۔ (۱۵)

پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب اٹھائے جاؤ گے۔ (۱۶)

ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں (۱۵) اور ہم

(۱) محفوظ جگہ سے مراد رحم مادر ہے، جہاں نو مہینے بچہ بڑی حفاظت سے رہتا اور پرورش پاتا ہے۔

(۲) اس کی کچھ تفصیل سورہ حج کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسے پھر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم وہاں مُخَلَّقَةً کا جو

ذکر تھا، یہاں اس کی وضاحت، مُضْغَةً کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے اور ہڈیوں کو گوشت پسنانے سے کر دی ہے۔ مُضْغَةً

گوشت کو ہڈیوں میں تبدیل کرنے سے مقصد، انسانی ڈھانچے کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا ہے۔ کیونکہ محض گوشت میں تو

کوئی صلابت اور سختی نہیں ہوتی، پھر اگر اسے تراہڈیوں کا ڈھانچہ ہی رکھا جاتا، تو انسان میں وہ حسن و رعنائی نہ آتی، جو ہر

انسان کے اندر موجود ہے۔ اس لیے ان ہڈیوں پر ایک خاص تناسب اور مقدار سے گوشت چڑھا دیا گیا کہیں کم کہیں

زیادہ۔ تاکہ اس کے قد و قامت میں غیر موزونیت اور بھدا پن پیدا نہ ہو۔ بلکہ وہ حسن و جمال کا ایک پیکر اور قدرت کی

تحقیق کا ایک شاہ کار ہو۔ اسی چیز کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان فرمایا، ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ

تَقْوِيْمٍ﴾ (سورۃ التین) ”ہم نے انسان کو احسن تقویم یعنی بہت اچھی ترکیب یا بہت اچھے ڈھانچے میں بنایا۔“

(۳) اس سے مراد وہ بچہ ہے جو نو مہینے کے بعد ایک خاص شکل و صورت لے کر ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے اور

حرکت و اضطراب کے ساتھ سمع و بصر اور ادراک کی قوتیں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔

(۴) خَالِقِيْنَ، یہاں ان صانعین کے معنی میں ہے، جو خاص خاص مقداروں میں اشیا کو جوڑ کر کوئی ایک چیز تیار کرتے

ہیں۔ یعنی ان تمام صنعت گروں میں اللہ جیسا بھی کوئی صنعت گر ہے جو اس طرح کی صنعت کاری کا نمونہ پیش کر سکے جو

اللہ تعالیٰ نے انسانی پیکر کی صورت میں پیش کیا ہے۔ پس سب سے زیادہ خیر و برکت والا وہ اللہ ہی ہے، جو تمام صنعت

کاروں سے بڑا اور سب سے اچھا صنعت کار ہے۔

(۵) طَرَاتِقُ، طَرِيفَةٌ کی جمع ہے مراد آسمان ہیں۔ عرب، اوپر تلے چیز کو بھی طریقہ کہتے ہیں۔ آسمان بھی اوپر تلے ہیں اس

لیے انہیں طَرَاتِقُ کہا۔ یا طریقہ، بمعنی راستہ ہے، آسمان ملائکہ کے آنے جانے یا ستاروں (کو اکب) کی گزر گاہ ہے، اس لیے

انہیں طَرَاتِقُ قرار دیا۔

مخلوقات سے غافل نہیں ہیں۔<sup>(۱)</sup> (۱۷)

ہم ایک صحیح انداز سے آسمان سے پانی برساتے ہیں،<sup>(۲)</sup> پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیتے ہیں،<sup>(۳)</sup> اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔<sup>(۴)</sup> (۱۸)

اسی پانی کے ذریعہ سے ہم تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں، کہ تمہارے لیے ان میں بہت سے میوے ہوتے ہیں انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو۔<sup>(۵)</sup> (۱۹)

اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والے کے لیے سالن ہے۔<sup>(۶)</sup> (۲۰)

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنْتُمُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِنَّ لَقَادِرُونَ ﴿۱۷﴾

فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ تَحْتِهَا أَعْنَابٌ لَّكُمْ فِيهَا مَعْوَاكِلٌ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۱۸﴾

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْأَعْيُنِ ﴿۱۹﴾

(۱) خلق سے مراد مخلوق ہے۔ یعنی آسمانوں کو پیدا کر کے ہم اپنی زمینی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ مخلوق ہلاک نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم مخلوق کے مصالح اور ان کی ضروریات زندگی سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم اس کا انتظام کرتے ہیں، (فتح القدر) اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا یا داخل ہوتا، اسی طرح آسمان سے جو اترتا اور چڑھتا ہے، سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر وہ نظر رکھتا ہے اور ہر جگہ وہ اپنے علم کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یعنی نہ زیادہ کہ جس سے تباہی پھیل جائے اور نہ اتنا کم کہ پیداوار اور دیگر ضروریات کے لیے کافی نہ ہو۔

(۳) یعنی یہ انتظام بھی کیا کہ سارا پانی برس کر فوراً بہ نہ جائے اور ختم نہ ہو جائے بلکہ ہم نے چشموں، نہروں، دریاؤں اور تالابوں اور کنوؤں کی شکل میں اسے محفوظ بھی کیا ہے، (کیوں کہ ان سب کی اصل بھی آسمانی بارش ہی ہے) تاکہ ان ایام میں جب بارشیں نہ ہوں، یا ایسے علاقے میں جہاں بارش کم ہوتی ہے اور پانی کی ضرورت زیادہ ہے، ان سے پانی حاصل کر لیا جائے۔

(۴) یعنی جس طرح ہم نے اپنے فضل و کرم سے پانی کا ایسا وسیع انتظام کیا ہے، وہیں ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ پانی کی سطح ہم اتنی نیچی کر دیں کہ تمہارے لیے پانی کا حصول ناممکن ہو جائے۔

(۵) یعنی ان باغوں میں انگور اور کھجور کے علاوہ اور بہت سے پھل ہوتے ہیں، جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو اور کچھ کھاتے ہو۔

(۶) اس سے زیتون کا درخت مراد ہے، جس کا روغن تیل کے طور پر اور پھل سالن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سالن



تمہارے لیے چوپایوں میں بھی بڑی بھاری عبرت ہے۔ ان کے پیٹوں میں سے ہم تمہیں دودھ پلاتے ہیں اور بھی بہت سے نفع تمہارے لیے ان میں ہیں ان میں سے بعض بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔ (۲۱)

اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو۔ (۲۲)<sup>(۱)</sup>  
یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم (اس سے) نہیں ڈرتے۔ (۲۳)

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (۲۴)<sup>(۲)</sup> اگر اللہ ہی کو منظور ہوتا تو کسی فرشتے کو اتارتا، (۲۵)<sup>(۳)</sup> ہم نے تو اسے اپنے اگلے باپ دادوں کے زمانے میں سنا ہی نہیں۔ (۲۴)<sup>(۴)</sup>

یقیناً اس شخص کو جنون ہے، پس تم اسے ایک وقت مقرر تک ڈھیل دو۔ (۲۵)<sup>(۵)</sup>

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً لِمِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۲۱﴾

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ عِبْرَةٌ ﴿۲۲﴾  
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ رَبِّي وَاللَّهِ تَاللَّهِ إِنِّي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۳﴾

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مِّنَ السَّمَاءِ لِيَهْدِيَ بِهَا أَبْنَاءَ الَّذِينَ كَفَرُوا

إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَمَا تَصَوُّرُوه حَتَّىٰ جُنِينٌ ﴿۲۵﴾

کو صنیع رنگ کہا ہے کیوں کہ روٹی، سالن میں ڈبو کر گویا رنگی جاتی ہے۔ طورِ سینینا (پھاڑ) اور اس کا قرب و جوار خاص طور پر اس کی عمدہ قسم کی پیداوار کا علاقہ ہے۔

(۱) یعنی رب کی ان ان نعمتوں سے تم فیض یاب ہوتے ہو، کیا وہ اس لائق نہیں کہ تم اس کا شکر ادا کرو اور صرف اسی ایک کی عبادت اور اطاعت کرو۔

(۲) یعنی یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے، یہ کس طرح نبی اور رسول ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہا ہے، تو اس کا اصل مقصد اس سے تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا ہے۔

(۳) اور اگر واقعی اللہ اپنے رسول کے ذریعے سے ہمیں یہ سمجھانا چاہتا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ہے، تو وہ کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا نہ کہ کسی انسان کو، وہ ہمیں آکر توحید کا مسئلہ سمجھاتا۔

(۴) یعنی اس کی دعوت توحید، ایک نرالی دعوت ہے، اس سے پہلے ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانے میں تو یہ سنی ہی نہیں۔

(۵) یہ ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے، بے وقوف اور کم عقل سمجھتا اور کہتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۖ يَا مُوسَىٰ ۙ قَالَ هَٰذَا آيَاتِي لَكَ ۖ فَارْجُؤُنِي إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ فَاذْهَبْ أَجْمَعًا ۚ وَارْجُؤُنِي إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ فَاذْهَبْ أَجْمَعًا ۚ وَارْجُؤُنِي إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ فَاذْهَبْ أَجْمَعًا ۚ

فَاذْهَبْ أَجْمَعًا ۚ وَارْجُؤُنِي إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ فَاذْهَبْ أَجْمَعًا ۚ وَارْجُؤُنِي إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ فَاذْهَبْ أَجْمَعًا ۚ وَارْجُؤُنِي إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ فَاذْهَبْ أَجْمَعًا ۚ

وَرَجَعِي إِلَىٰ رَبِّكَ وَأَهْلِكَ إِذْ سَبَقَتْ عَلَيْهِ الْعُقُوبُ مِنْهُمُ ۚ وَلَا تَتَّخِطَّ لِنَبِيِّكَ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُمْ مُخْرَجُونَ ۝

فَإِذَا السَّعِيرَاتُ آتَتْ وَرَمْنَ مَعَكَ عَلَى الْفُلِكِ فَقِيلَ لِكُلِّ مَعْذُورٍ مِّنْهُمُ الَّذِي تَتَّبِعُهُمْ الْغَالِبِينَ ۝

نوح (علیہ السلام) نے دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر۔<sup>(۱)</sup> (۲۶)

تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ جب ہمارا حکم آجائے<sup>(۲)</sup> اور تور اہل پڑے<sup>(۳)</sup> تو تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس میں رکھ لے<sup>(۴)</sup> اور اپنے اہل کو بھی، مگر ان میں سے جن کی بابت ہماری بات پہلے گزر چکی ہے۔<sup>(۵)</sup> خبردار جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے کچھ کلام نہ کرنا وہ تو سب ڈبوئے جائیں گے۔<sup>(۶)</sup> (۲۷)

جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر باطمینان بیٹھ جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہی ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمائی۔ (۲۸)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ہی دیوانہ ہے۔ اسے ایک وقت تک ڈھیل دو، موت کے ساتھ ہی اس کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی۔ یا ممکن ہے اس کی دیوانگی ختم ہو جائے اور اس دعوت کو ترک کر دے۔

(۱) ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ و دعوت کے بعد، بالآخر رب سے دعا کی، ﴿فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ﴾ (القمر-۱۰) ”نوح علیہ السلام نے رب سے دعا کی، میں مغلوب اور کمزور ہوں میری مدد کر۔“۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ میری نگرانی اور ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرو۔

(۲) یعنی ان کو ہلاکت کا حکم آجائے۔

(۳) تور پر حاشیہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے ہاں کا معروف تور نہیں، جس میں روٹی پکائی جاتی ہے، بلکہ روئے زمین مراد ہے کہ ساری زمین ہی چشمے میں تبدیل ہو گئی۔ نیچے زمین سے پانی چشموں کی طرح اہل پڑا۔ نوح علیہ السلام کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب پانی زمین سے اہل پڑے.....

(۴) یعنی حیوانات، نباتات اور ثمرات ہر ایک میں سے ایک ایک جوڑا (نرا و مادہ) کشتی میں رکھ لے تاکہ سب کی نسل باقی رہے۔

(۵) یعنی جن کی ہلاکت کا فیصلہ، ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے ہو چکا ہے، جیسے زوجہ نوح علیہ السلام اور ان کا پسر۔

(۶) یعنی جب عذاب کا آغاز ہو جائے تو ان ظالموں میں سے کسی پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تو کسی کی سفارش کرنی شروع کر دے۔ کیونکہ ان کے غرق کرنے کا قطعی فیصلہ کیا جا چکا ہے۔